Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 3, Issue 4
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

**سمیرا پروین**

پی ایچ ڈی سکالر، وفاقی اردو یونی ورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، اسلام آباد

**ڈاکٹر سعدیہ طاہر**

اسسٹنٹ پروفیسر، وفاقی اردو یونی ورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، اسلام آباد

# ماجد صدیقی کی نظم میں سماجی شعور

**Sumera Perveen**
Ph.D Scholar, Federal Urdu University of Arts, Science and Technology, Islamabad.
**Dr. Sadia Tahir**
Assistant Professor, Federal Urdu University of Arts, Science and Technology, Islamabad.

## Social Awareness in The Poem Of Majid Siddique

Nazm is a popular form of poetry in Urdu literature, especially in 20th century, this form got progress rapidly. Allama Iqbal geared up in such a way that this placed parallel to Ghazal. As modernism spread across the world, sub-continent also adopted it because this literary form had the capacity to narrate all matters of life. Progressive Writer Movement contributed a lot in this regard. After partition, in Pakistan "Nazm" as literary form took all problems of society as its subjects.
From Josh MalihAbadi to Faiz Ahmad Faiz and from Noon Meem Rashid to Meera Jee many poets portray the real picture of their era. Majid Siddiqi is renown poet of 20th century. In the decade of seventy, he started his poetry as Ghazal-go poet but soon he chose "Nazm" to cover all matters of society. He painted the true pictures of individual and collective living through his art. In this article, efforts have been made to point out social anxiousness in his Nazm.
**Key words:** social, cultural, Majid, poverty, artistic, Pakistan.

**کلیدی الفاظ:** معاشرہ، سماجی، ماجد، فن، پاکستان

جدید نظم بیسویں صدی کی اہم صنف سخن ہے۔ دونوں عالمی جنگوں کے نتیجے میں جس طرح فرد اور سماج ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے اور صدیوں سے رائج قدیم روایات شکستہ ہوئیں تو ادب میں بھی اظہار کے نئے طریقے ڈھونڈے جانے لگے، خصوصاً نظم میں موضوع کے ساتھ ہیئت پر بھی تجربات ہوئے۔ اردو میں بھی انجمن ترقی پنجاب کے پلیٹ فارم سے نئے رجحانات کی طرف توجہ کی گئی اور بہت جلد اس کو سند قبولیت

 Corresponding Author،s Email: sumera@gmail.com

مل گئی۔ گل و بلبل کی جگہ زندگی کے حقیقی مسائل نظم کے پیرائے میں بیان ہونے لگے۔ دو عظیم لڑائیوں کے درمیانی عرصہ میں ترقی پسند تحریک نے اس صنف پر بہت زور صرف کیا اور "ادب برائے زندگی" کے نعرے سے معاصر اور آنے والے ادیبوں کو بہت متاثر کیا اور سماج اور فرد کے مسائل کی پیش کش گویا ادب کا فریضہ بن گیا۔

تقسیم ہند کے بعد ترقی پسند ادیب دونوں نوزائیدہ مملکتوں میں اپنے ادبی مسلک پر قائم رہے چنانچہ ترقی پسند تحریک کے زیر ادبی مجلات اور محافل اور کتب میں نظریاتی تحریریں سامنے آتی رہیں۔ پاکستان میں بھی رومانویت پسندوں کے خلاف شدید ردِ عمل کا سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ ہر غیر ترقی پسند کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ احمد ندیم قاسمی کا "فنون" اور محمد طفیل کا نقوش اور شاہد احمد دہلوی کا "ساقی" نئے تخلیق کاروں کے لیے گویا نعمت سے کم نہ تھے۔ اول الذکر کے صفحات ہر نووارد ادیب کے لیے کھلے تھے۔

ماجد صدیقی کا نام بھی پہلے پہل ادبی حلقوں میں / ادبی رسائل کے توسط سے ہوا اور بہت جلد انھوں نے اپنی پہچان بطور شاعر بنالی۔ ان کا تعلق گروہ بندیوں سے ہر گز نہ تھا، دائیں اور بائیں، رومانوی اور ترقی پسند جیسی تقسیم سے انھیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ فقط بطور شاعر اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ ذاتی و اجتماعی تجربے شعر میں ڈھل رہے تھے۔ ان کی ذات پر بیتنے والے واقعات اور ارد گرد کے ماحول نے ان کو شعری موضوعات فراہم کئے اور وہ بے ساختہ ان کو سخن میں ڈھالتے گئے۔ ان کی شاعری میں یوں تو بہت سے پہلو ہیں۔ جن پر بات ممکن ہے مگر اس مضمون میں سماجی صورت حال پر جو شاعری ہوئی اس کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

ان کا دوسرا شعری مجموعہ "یہ انسان" 1978ء میں منظر عام پر آیا اس میں کل اٹھائیس نظمیں شامل ہیں اور بیشتر میں انسان اور معاشرے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ انسانی نفسیات اور سماج کی صورت حال کو عمدہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مجموعہ میں ایک نظم کا عنوان بھی "یہ انسان" ہے اس کی چند سطور ملاحظہ ہوں:

"تو کہ ایک ایک تارے نظر سے فروزاں ہے میرے خدا
تو کہ خاموش سانسوں کے سازوں کے پردوں کے
ایک ایک ریشے میں جلوہ نُما ہے
تو کہ ایک ایک دھڑکن کے
حسنِ تناسب کی جاں
موسموں کی زباں
ذرے ذرے میں پوشیدہ
سرِ نہاں ہے
تو کہ جس کی رضا سے مرے ہاتھ، میری زباں
میری آنکھوں کی یہ پتلیاں"[1]

ان کی تخلیقات میں گہرا سماجی شعور موجود ہے جس کی بنیادی وجہ ان کا سماج کے گہرا رابطہ اور رشتہ ہے۔ وہ بحیثیت فرد معاشرے کے کارآمد رکن تھے ان کی سوشل سرگرمیاں اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ ایک بھرپور زندگی جیے اور ان مسائل کو نہ صرف مشاہداتی سطح پر برتا بلکہ خود اس کا تجربہ بھی کیا جس کا ان کو فائدہ یوں ہوا کہ شاعری میں ان مسائل کو احسن طریقے سے سمو دینے میں کامیاب ہو گئے۔ دیہاتی پس منظر، ابتدائی ملازمت کا عرصہ اپنے علاقوں میں گزارنا ان کے لیے نعمت سے کم نہ تھا ورنہ کچھ فنکاروں کے لیے شہروں میں رہ کر دیہی زندگی کی تصویر

کشی مشکل ہو جاتی ہے یا محدود تجربہ اور کم مشاہدہ اچھی تخلیقات کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ کیونکہ فقط تخیل کے زور پر فن پارہ جو سماج کا عکاس ہو سامنے لانا ممکن نہیں۔ ماجد صدیقی نے اپنے تجربے کو شعری قالب میں ڈھالا اور اپنے ماحول کی بہتر انداز میں منظر کشی کی۔ اس کتاب کے اشاعت پذیر ہونے کا زمانہ مارشل لاء کا زمانہ ہے۔ سنسر شپ کی پابندیاں ہیں۔ ہر طرف خوف کی فضا ہے۔ مگر اس تمام کے باوجود وہ اپنی بات کرنے میں، اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ہچکچاتے نہیں ہیں۔ شخصی آزادیاں صلب ہو جائیں اور معاشرے پر جبر کے سائے ہوں تو فنکار کے لیے لازم ٹھہرتا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کی آواز میں آواز ملائے اور ان کے دلی جذبات کی ترجمانی کرے۔ اس مجموعے میں نظموں کی ترتیب اس طور پر کی گئی ہے کہ اجتماعی صورت حال کل کر سامنے آئی ہے۔ معاشرے یا قوم کی نفسیات کا حقیقی پتہ ان جکڑ بندیوں کے زمانے میں چلتا ہے جب ظلم کا دور دورہ ہو۔ زندگی اور ادب کا تعلق یہیں سے پختہ تر ہوتا ہے۔ مطرب نظامی نے اس بابت لکھا ہے:

> "ادب کی صحیح تعریف یہ ہے کہ ادب میں فکری عنصر لازمی رُخ اختیار کرے لیکن پہلے یہ طے کرنا ہو گا کہ ادب اور زندگی میں ربط کیا ہے اور ربط ہے تو کس طرح کا ہے کیوں ادب اور سماج کے بیچ اخلاقی کڑیاں بھی جڑی ہوتی ہیں اور ادب سے گہرا ربط رکھنے والا شاعر سماج کا نمائندہ ہوتا ہے۔"[2]

یہی گہرا ربط انھیں سماج کا نمائندہ شاعر بناتا ہے اور وہ کامیابی سے وہ تصویریں قارئین کے سامنے لے آتے ہیں کہ جو عمومی طور پر آنکھ سے اوجھل رہ جاتی ہیں۔ اپنے گردو پیش سے جڑت شاعر کو بصیرت اور بصارت دونوں کو بیک وقت استعمال کرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ اور پھر فن کے آئینے میں پورا حال اپنا عکس پیش کرنے لگتا ہے۔ ماجد نے داخل کی آواز کو خارج کی آواز سے جوڑ کر حقائق افشاء کیے ہیں۔ ان کی فکر میں اس درد نے جگہ پائی جو عوام الناس کے سینے میں تھا۔ زمانے کے دکھوں کو انھوں نے فقط دیکھا نہیں ہے بلکہ کسی حد تک جھیلا بھی ہے۔ اسی لیے ان کی شاعری سچی ترجمان بن کر سامنے آتی ہے۔ زیر نظر مجموعہ خصوصی طور پر ان کی طبعی رجحان کا جہان نمائندگی کرتا ہے وہیں آنے والے دور میں ان کی ترجیحات کا بھی پتہ دیتا ہے۔ معاصر صورت حال ادراک ہی اصل ان کے سماجی شعور کا اصل محرک ہے۔ اس طرزِ اظہار اور موضوعات کو ترقی پسندیت بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ گو کہ وہ باضابطہ طور پر اس تحریک سے منسلک نہیں تھے مگر حقیقت نگاری کے سلسلے میں ان کو ترقی پسند کہا جا سکتا ہے۔ زندگی کی تلخیوں اور محرومیوں کو قلمبند کرنا فنکارانہ عمل ہے۔ ماجد صدیقی نے سماجی مدوجذر کو جس انداز میں شاعری کا موضوع بنایا ہے وہ دراصل سماجی و لسانی عمل کے ادغام کا طریقہ ہے جو ادب میں رائج ہے۔ میری بکلٹز (Mary Bucholtz) نے اس بارے میں لکھا ہے:

> "سماجی و ثقافتی لسانیات کا تعلق بطور بین المضامینی مضمون کے نظریات، تحققات یا عنوانات کے بجائے ایک سادہ سوال ہے کہ زبان کا عملی یا مشاہداتی مطالعہ کس طرح سے سماج اور ثقافت کے نظام کو فروغ دیتا ہے۔ اس تحقیق میں طریقوں نظریات، سماجی و ثقافتی معاملات لسانی تصورات اور سیاسی مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔"[3]

ثقافتی بحران اور سماجی ابتری سیاسی مدوجذر کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے معاشی اور اقتصادی حالات بھی متاثر ہوتے ہیں۔ فنکار زبان کے ذریعے ادب تخلیق کرتا ہے جس کے آئینے میں معاشرہ اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ "دو نیم تیرا بدن" میں شامل نظمیں مندرجہ بالا دعویٰ کی دلیل کے طور پیش کی جا سکتی ہیں مثلاً نظم "مادرِ مہرباں" کی چند سطریں ملاحظہ ہوں:

میرے وجدان پر اک حسیں قرض ہے
اور اس کا چکانا مرا فرض ہے

قرض سارا ہی اب یہ چکاؤں گا میں
جو مرا فرض ہے وہ نبھاؤں گا میں
تیرے قدموں کے نیچے کی جو خاک تھی
اس کو اکسیر کرکے دکھاؤں گا میں
ہاں، مری ماں! مری ماں ہے اک اور بھی
ہجر کا روگ جس سے نہ پاؤں گا میں
تو نہیں ہے تو تیرا تلطف سبھی
ڈھونڈنے پاس اس کے ہی جاؤں گا میں
میری خاکِ وطن بھی تیری مثل ہے
ماں کا رتبہ اسے بھی دلاؤں گا میں
تیرے بخشے ہوئے اوجِ افکار سے
اس کے آنگن کو جنت بناؤں گا میں"[4]

انسانی کے مجروح اور شکستہ جذبات کی ترجمانی خوبصورت انداز میں کی گئی ہے۔ وفور جذبات سے مملو اس شعری ٹکڑے میں ایک مشکل اور پیچیدہ احوال واقعہ کو بیان کیا گیا ہے بہ زمانہ شخصی حکمرانی اور مطلق العنانیت کا ہے جس کا اندازہ دورانِ خواندگی بخوبی ہو جاتا ہے اور قاری پر وہ معلومات بھی افشا ہوتی ہیں جو بظاہر مخفی تھیں۔ اس مجموعہ کی تخلیقات میں ایک محرک ماجد صدیقی کا ذاتی دکھ بھی ہے جو در حقیقت سماج کی سنگدلی پر دلالت کرتا ہے۔ ان کی بے بسی اور معاشرے کی بے حسی اور نظام عدل و انصاف کی کمزوری اس کتاب کی کئی نظموں میں نمایاں ہے مثلاً: الاماں نظم کی چند سطور ملاحظہ ہوں۔

"یہ سخن جو ترے بچھڑنے پر!
تھام کر اشکِ خوں، پسِ مژگاں
مَیں نے اب کے ہے تیرے نام کیا
الاماں! بزم اہل راحت میں
اس پہ بھی انگلیاں اٹھی دیکھوں
اس قیامت کے بھی گزرنے پر
درد جو جاں میں ہے مری رقصاں
مَیں نے اس دور کو دوام دیا
کتنی باتیں ہیں جو سماعت میں
مثل کانٹوں کے میں چبھی دیکھوں
اپنی اپنی نگاہ ہے سب کی
اپنی اپنی پہنچ سبھی کی ہے

کچھ نے بخشا حسد کا سینک مجھے
کچھ نے بے نام سر خوشی دی ہے
دی ہیں جس کو خدا نے نم آنکھیں
آنکھ میں تیرتے سرشکوں کی
وہ اسے جوئبار کہتے ہیں
سوچ کی سم مگر ملی ہے جنہیں
انجمن کی نظر میں آنے کا
وہ اسے اشتہار کہتے ہیں"[5]

ایک اور شعری مجموعہ جو "بنتِ مشرق" کے عنوان سے اشاعت پذیر ہوا اس عمومی طور پر تو سیاسی حوالوں سے نظمیں ملتی ہیں مگر سماجیات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ خود سیاسی پس منظر وائی شعری تخلیقات میں بھی ابتری کے نشانات دراصل معاشرے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جیسے 1971ء کی جنگ کے نتیجہ میں ہونے والی بربادی پر جب بات کی گئی ہے تو تاریخی اور سماجی شعور کی روشنی میں ہی کی گئی ہے۔ ہولناک مناظر کی راکھ سے ہمیشہ سماج کے گھاؤ ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ اس میں درپردہ یا بالواسطہ انسان ہی موضوع بنا ہے۔ طویل نظم "اذیت کی تلخی جگر میں اتار" ہے۔ اس میں تاریخی اعتبار سے اپنے اردگرد کے ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے ماضی اور حال کا موازنہ کیا گیا ہے۔ یہ ایک تاثر سے بھرپور فن پارہ ہے جس میں شاعر نے اپنے اجتماعی مسائل کو موضوع گفتگو بنایا ہے۔ انسانی المیہ کو اس نظم میں بہترین شعری اصطلاحات اور علامات کے ذریعے ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ "خواب تتلیوں جیسے" مجموعہ میں شامل کلام سماجی صورت حال کا عکاس ہے۔

وہ نظمیں جن میں انفرادی اور ذاتی احساسات کی ترجمانی کی گئی وہ تاثر کے لحاظ انفرادیت رکھتی ہیں۔ سماجی کل میں فرد جس طرح کے مسائل کا شکار ہے وہ دراصل اجتماعی بے حسی کی وجہ سے ہے۔ یعنی اگر گروہی سطح پر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے تو معاملہ حل ہو سکتا تھا مگر چونکہ ایسا نہیں کیا گیا اس لیے ذاتی المیے نے جنم لیا۔ یہ جھلک ماجد صدیقی کے ہاں تواتر کے ساتھ نظر آتی ہے۔ مثلاً "یاور کا احتجاج" نامی نظم میں اپنے جواں سال بیٹے کی المناک موت کو یاد کرتے ہیں۔ سڑک کے حادثے میں ایک ڈرائیور کی غفلت اور لاپرواہی نے ایک معصوم کی جان لے لی تو دراصل عدم توجہی اور نظام کی خامی کی وجہ سے ہوا۔ وہ سراپا احتجاج ہیں کہ اس معاشرتی رویے کو تبدیل کیا جائے ورنہ کئی نوجوان اس انجام سے دوچار ہوتے رہیں گے۔ سماج میں آج عدم توجہی اور بے حسی کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ہزاروں لوگ ہر سال حادثات کی وجہ سے لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔

"زوال آشنا" میں فنی لوازمات کو نبھاتے ہوئے ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کا ذکر کیا ہے جو معاشرے کے زوال کا سبب بنتی ہیں۔ ان کی درپردہ وجوہات اور تدارک کے لیے اقدامات کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ ان کے سماج پر گہرے مشاہدے اور تجربے نے وہ اہلیت پیدا کی کہ وہ حقیقی تصویریں لفظوں میں بنانے کے قابل ہوئے۔ حساسیت اور دوربینی نے ماجد صدیقی کو اس طرح کے مرقعے بنانے میں محرک کا کام کیا اور بطور فن کار اپنا نام اس فہرست میں لکھوانے میں کامیاب ہوئے جو سماجی شعور کے حاصل ہیں یا جن کے ہاں سماجی رویے بطور موضوع جگہ بنانے میں کامیاب ہوئے۔

1991ء میں منظر عام پر آنے والا مجموعہ "دیوار گریہ" میں شامل نظم "دیوار گریہ" نمائندہ نظم کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ بظاہر تو فلسطین کے پس منظر کا بیان کرتی ہے مگر اس میں سماج سے بھی مکالمہ کیا گیا ہے کیونکہ اس میں انسانی کرب کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ فلسطین کے

ساتھ الجزائر، ہیروشیما، شام، کشمیر، عراق وغیرہ کا ذکر اسی انسانی صورت حال میں ہوا ہے۔ سماج میں (دنیا بھر کے مختلف خطوں میں) ایک طرح کی تنزلی اور ابتری ہے جسے درست کرنے کی ضرورت ہے۔

"دہر آشوب" میں شامل کلام میں بھی سماج کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور یہاں بھی ان کا زور قلم اہم نکات کی تشریح و توضیح پر صرف ہوا ہے۔ "اک اور آواگون" اور "یوم مزدور" نظموں کے متن خوبصورتی سے گردوپیش کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ محنت مزدوری اور مشکل وقت میں گزراوقات وہ حقائق جو ازل سے انسانوں کا مقدر رہا ہے۔ آواگون وہ فلسفہ ہے جو مشقت کے گھن چکر کی علامت ہے۔ یعنی خود انسان کی پیدائش دراصل آزمائش کے لیے ہوئی اور دنیا میں ضرور کوئی نہ کوئی دکھ اس کی ذات کو دامن گیر رہے گا۔ ایک غم نہ ہو گا تو کوئی دوسرا لاحق ہو گا۔ پوری حیاتِ انسانی اس حقیقت سے آنکھیں چرا نہیں سکتی۔

ماجد صدیقی کے پورے فنی کیریئر میں سماجیت اور معاشرت کو بہت اہمیت دی ہے۔ مذکورہ نظموں کے علاوہ بھی ان کے کلام سے کئی نمونے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ وہ معاشرے کے حقیقی معنوں میں نباض تھے ان کی گہری نظر سے باریک نکات اور جذئیات تک اوجھل نہ تھیں۔ مطالعہ اور مشاہدہ تجربے میں ڈھال کر انھوں نے وقیع اور قابل قدر ادبی کام کیا۔

## حوالہ جات


[1] ماجد صدیقی، "یہ انسان"، اپنا ادارہ این۔ ای 1439۔ اے/696، ڈھوک فرمان علی چکلالہ روڈ، راولپنڈی، 1978ء، ص 11

[2] فراق گورکھپوری مرتب۔ مطرب نظامی۔ کلیات فراق۔ بک کارنر جہلم، 2014ء، ص 9

[3] مضمون: سب سے مقدم از میری بکلٹز (ترجمہ محمد نعمان فہیم جاوید) مشمولہ معیار، شمارہ 22 جولائی۔ دسمبر 2019ء، اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد، ص 45۔

[4] ماجد صدیقی، "ماجد نشان" پورب اکادمی اسلام آباد، 2008ء، ص 939۔

[5] ماجد صدیقی، "ماجد نشان" پورب اکادمی اسلام آباد، 2008ء، ص 911۔